33

درحقیقت زندہ وہی ہے جو روحانی طور پر زندہ ہے اور بینا وہی ہے جو روحانی طور پر بینا ہے

ربوہ آباد کرنے کے سلسلہ میں ہدایات

(فرمودہ 22 اکتوبر 1948ء بمقام لاہور)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"آج پھر حرارت کی وجہ سے زیادہ دیر نہیں بول سکتا اور ایک وقتی امر کے متعلق جو ایک لحاظ سے وقتی ہے اور ایک لحاظ سے ایک اہم اور دائمی حیثیت رکھتا ہے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی پیشگوئیوں کے ماتحت ہمیں کچھ عرصہ کے لیے قادیان چھوڑنا پڑا اور لازماً ہمیں ایک اَور مرکز کی تلاش ہوئی۔ اس کے لیے ہم نے ضلع جھنگ میں ایک جگہ خرید لی ہے جس کا نام ربوہ رکھ دیا گیا ہے۔ اس جگہ میں مکانات بنانے کے لیے مَیں نے دوستوں کو تحریک کی تھی۔ سب سے پہلے تو مَیں اِس غلطی کا اعتراف کرتا ہوں کہ ربوہ میں سب سے پہلا موقع قادیان کے اُجڑے ہوئے باشندوں کو جن کے وہاں مکانات یا زمینیں تھیں اور اب ایک مرکز پر جمع ہونا چاہتے تھے دیا جانا چاہیے تھا۔ اس کے بعد دوسرے دوستوں کو موقع دیا جاتا۔ لیکن اُس وقت ہم سے بُھول ہوگئی اور ہم نے عام اعلان کر دیا۔

بہرحال قادیان کے بعض رہنے والوں نے بھی زمین کے لیے درخواستیں دی ہیں اور بعض

دوسرے باہر کے رہنے والوں نے بھی درخواستیں دی ہیں۔ زمین کی فروخت کے لیے جو اعلان کیا گیا تھا اُس میں دو شرطیں تھیں۔ ایک یہ کہ پانچ سو کنال تک زمین اب فروخت کی جائے گی۔ اور دوسری یہ کہ ایک ماہ کے اندر اندر جو لوگ قیمت جمع کرا دیں گے اُنہیں یہ زمین مل سکے گی۔ یہ ایک عام دستور ہے کہ وقت اور چیز دونوں کی حد بندی کر دی جاتی ہے اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان دونوں میں سے جو بھی چیز پہلے پوری ہو جائے گی وہ اس اعلان کو ختم کر دے گی۔ مثلاً گورنمنٹیں اعلان کرتی ہیں کہ ہمیں پچاس کروڑ روپیہ کے قرضہ کی ضرورت ہے اور فلاں وقت تک لوگ درخواست دے سکتے ہیں۔ فرض کرو یہ اعلان کیا گیا ہے کہ پندرہ اکتوبر تک لوگ درخواستیں دے سکتے ہیں۔ اب اگر پچاس کروڑ کی رقم پوری ہو جائے خواہ مدت مقررہ میں ابھی کچھ دن باقی ہی ہوں۔ فرض کرو پچاس کروڑ کی رقم یکم اکتوبر کو پوری ہو جاتی ہے اور پندرہ اکتوبر تک ایک ارب روپیہ کی درخواستیں آ جاتی ہیں تو گورنمنٹ صرف پچاس کروڑ کی رقم تک کی درخواستیں منظور کرے گی اور باقی کو ردّ کر دے گی۔ اس لیے کہ اُسے پچاس کروڑ روپیہ چاہیے تھا اور وہ پورا ہو گیا۔ گورنمنٹ اِس وجہ سے ایک ارب کی درخواستیں منظور نہیں کرے گی کہ ابھی مقررہ تاریخ میں کچھ دن باقی ہیں۔ اِسی طرح اگر مقررہ تاریخ گزر جاتی ہے تو خواہ وہ رقم پوری ہو یا نہ ہو اعلان ختم سمجھا جائے گا۔ اِن دو شرطوں کے معنے ہی یہ ہوتے ہیں کہ اگر روپے یا چیز کی حد ختم ہو گئی تب بھی اعلان کو ختم سمجھا جائے گا اور اگر تاریخ گزر جائے خواہ وہ رقم یا چیز پوری ہو یا نہ ہو تب بھی اس اعلان کو ختم سمجھا جائے گا۔ مثلاً جب ہم نے اعلان کیا تھا کہ اب 500 کنال تک زمین فروخت کی جائے گی (گو بعد میں وہ ایک غلطی کی وجہ سے ایک ہزار کنال بن گئی) تو اس کے ساتھ ہی یہ تجویز کی گئی تھی کہ اُن غرباء کو جو قادیان میں مکان یا زمین رکھتے تھے انہیں مفت زمین دی جائے۔ اور خیال تھا کہ 200 کنال تک زمین غرباء میں تقسیم کی جائے گی۔ اعلان کے بعد ایک وقتی ضرورت کے وقت میرے منہ سے ایک ہزار نکل گیا اور چونکہ یہ لفظ میرے منہ سے نکل چکا تھا اس لیے جو ہو چکا سو ہو چکا۔ غرباء والی دو سو کنال زمین اگر اس سے نکال لی جائے تو باقی 800 کنال رہ جاتی ہے۔ گویا اعلان کا یہ مفہوم ہوا کہ اگر 800 کنال زمین یا غرباء والی زمین ملا کر ایک ہزار کنال زمین پوری ہو جائے تو یہ اعلان بند سمجھا جائے گا۔ اور اگر تاریخ ختم ہو جائے خواہ مقدار پوری ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو تو بھی اعلان کو بند سمجھا جائے گا اور جتنی درخواستیں تاریخ مقررہ کے بعد آئیں گی اُن کے لیے نئی قیمت کے مقرر کرنے کا اختیار حاصل

ہو جائے گا۔ اِن دونوں چیزوں میں سے جو چیز بھی پہلے ختم ہو جائے گی وہ اس اعلان کو بند کر دے گی۔ اگر 800 کنال پوری ہو جائے اور تاریخ مقررہ میں کچھ دن باقی ہوں تو اعلان بند سمجھا جائے گا۔ اور اگر تاریخ مقررہ آجائے اور 800 کنال پوری نہ ہوئی ہو مثلاً اگر 500 کنال کی درخواستیں آئی ہوں اور پندرہ تاریخ آجائے تو پندرہ تاریخ اس اعلان کو بند کر دے گی۔ یہ عرفِ عام کا ایک طریق ہے۔ مگر مَیں دیکھتا ہوں کہ جونہی وقت ختم ہوا ہے درخواستیں زیادہ آنی شروع ہوگئی ہیں۔ بعض دفعہ لوگ رات کو بھی آکر میرا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں اور کہتے ہیں حضور! وقت ختم ہو گیا ہے، ہم پہلے قیمت ادا نہیں کر سکے، ہمیں یہ یہ مشکل پیش آگئی تھی۔ آپ ہماری سفارش کر دیں کہ ہمارا نام بھی ایک سَو روپے کنال والی شرح میں شامل کر دیا جائے۔ اور بعض لوگوں نے تو یہاں تک شکایت کی ہے کہ پندرہ اکتوبر کیوں کہا گیا تھا؟ میں نے اُنہیں جواب دیا ہے کہ صرف پندرہ اکتوبر ہی نہیں کہا گیا تھا بلکہ اعلان میں دو شرطیں بیان کی گئی تھیں۔ اور اگر دو شرطیں بیان کی گئی ہیں تو وہ کچھ معنے رکھتی ہیں۔ یہ عرفِ عام کا طریقہ ہے اور یہ ہمیشہ ہوتا چلا آیا ہے۔ گورنمنٹیں ہمیشہ ہی یہ کرتی چلی آئی ہیں اور ہمیشہ ہی وہ ایسا کرتی ہیں۔ اگر روپیہ یا چیز ختم ہو جاتی ہے اور تاریخ باقی رہتی ہے تب بھی وہ اعلان ختم ہو جاتا ہے اور اگر تاریخ ختم ہو جاتی ہے تو چاہے وہ رقم آئی ہو یا نہ آئی ہو تب بھی وہ اعلان ختم ہو جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ گورنمنٹ پچاس کروڑ کے لیے اعلان کرے اور مقررہ تاریخ تک ہر درخواست منظور کرتی جائے خواہ رقم پچاس کروڑ سے بڑھ ہی جائے۔ گورنمنٹ پچاس کروڑ کی رقم سے زیادہ جو درخواستیں ہوں گی اُنہیں ردّ کر دے گی۔ اور پھر اگر تاریخ ختم ہو جائے تو یہ نہیں ہوگا کہ جب تک رقم پوری نہ ہو جائے اعلان کو بڑھا دیا جائے بلکہ جب تاریخ ختم ہو جائے گی اعلان بھی ختم ہو جائے گا خواہ رقم پوری ہو یا نہ ہو۔ اِسی طرح ہماری طرف سے یہ اعلان کیا گیا تھا کہ 800 کنال تک زمین فروخت کی جائے گی اور پندرہ اکتوبر تک جن کی درخواستیں آجائیں گی وہ یہ زمین خرید سکیں گے۔ اب اگر زمین کی مقرر کردہ مقدار پوری ہو جائے تب بھی یہ اعلان ختم ہو جائے گا اور اگر مقررہ تاریخ گزر جائے مقدار خواہ پوری ہو یا نہ ہو تب بھی یہ اعلان ختم ہو جائے گا۔ پس جن دوستوں کی طرف سے یہ شکایت کی گئی ہے وہ ان کی ناتجربہ کاری اور کم علمی کی وجہ سے ہے۔ جب دو شرطیں بیان کی گئی ہوں تو ایک بے وقوف سے بے وقوف انسان کی سمجھ میں بھی یہ چیز آجائے گی کہ اس کے کچھ معنی ہیں۔ ورنہ ایک شرط کیوں نہ رکھی گئی دو شرطیں کیوں رکھی گئی

ہیں؟ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ساری زمین کے خریدار آ جائیں تب بھی اعلان ختم ہو جائے گا اور اگر تاریخ مقررہ گزر جائے گی خواہ ساری زمین کے خریدار آئیں یا نہ آئیں تب بھی وہ اعلان ختم ہو جائے گا۔ اب قانون کے مطابق نئی قیمت مقرر ہے جو اِس قیمت پر زمین لینا چاہے وہ لے سکتا ہے۔ ورنہ پرانی قیمت پر یہ زمین اب نہیں مل سکتی۔ یہ تو حسابی لحاظ سے مَیں نے کہا ہے۔ اب عقلی لحاظ سے کچھ کہتا ہوں۔

یہ قیمت تو ایسی تھی جیسے کوئی مچھلی پکڑنے والا یونہی بہت سا آٹا ڈال دیتا ہے یا بوٹی پھینک دیتا ہے کنڈی نہیں لگاتا۔ اِس طرح مچھلیاں آتی ہیں اور وہ اُس آٹے کو کھاتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ یہاں کوئی خطرہ نہیں، مفت میں آٹا گوشت کھانے کو ملتا ہے۔ اس طرح وہ انہیں پہلے عادت ڈال لیتا ہے۔ دوسری دفعہ وہ کنڈی بھی ساتھ لگا دیتا ہے۔ مچھلی اپنی عادت کے مطابق آتی ہے اور اُس میں پھنس جاتی ہے۔ اِسی طرح نیا شہر بسانے کے لیے لوگ خواہ کتنے ہی ایماندار ہوں فوراً تیار نہیں ہوتے۔ اس لیے ضرورت ہوتی ہے کہ ایسے مومنوں کو آگے نکالا جائے جو ہر قربانی کرنے کے لیے تیار ہوں اور اپنے مال کے ہر ضیاع کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اس لیے ہم نے بھی پہلے اِس قسم کا اعلان کر دیا۔ یہ آزمائش تھی تا معلوم ہو جائے کہ کون یہ یقین رکھتا ہے کہ اُس کا ایسا کرنا موجبِ برکت ہے اور کون تردّد کرتا ہے اور سوچتا رہتا ہے کہ مَیں جاؤں یا نہ جاؤں۔ بلاشُبہ جو شخص یہ یقین رکھتا ہے کہ یہ کام میرے لیے موجبِ برکت ہے وہ مستحق ہے رعایت کا، وہ مستحق ہے السَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ میں شامل ہونے کا۔ اور جو شخص تردّد کرتا ہے اور سوچتا رہتا ہے کہ میرا مال ضائع نہ ہو جائے۔ یا فرض کرو اُس کا مال ضائع ہی ہو جائے اور اُسے اس کے ضائع ہو جانے پر افسوس ہو۔ یا وہ خیال کرے کہ اب وہ اتنی رقم کہاں سے لائے گا وہ نہ حقدار ہے رعایت کا اور نہ حقدار ہے السَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ میں شامل ہونے کا۔

غرض درجہ بدرجہ قربانیوں کے ساتھ رعایت آتی ہے۔ یہ تو سیدھی سادھی بات ہے کہ جو شہر بھی بسایا جاتا ہے اُس سے فائدہ اٹھانے والے ہی اُس کے اخراجات کو برداشت کرتے ہیں۔ مثلاً لاہور کے قریب ماڈل ٹاؤن آباد ہوا ہے کیا آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کے اخراجات کے لیے لاہور پر کوئی ٹیکس پڑا تھا؟ نہیں۔ بلکہ شہر والوں نے اس کے تمام اخراجات کو برداشت کیا اور یہ ایک شہر بن گیا۔ امریکہ میں سینکڑوں اور ہزاروں شہر ایسے آباد ہوئے ہیں۔ سوسائٹیاں قصبات بنا دیتی ہیں اور ان کے

سارے انتظامات شہر کے باشندے کرتے ہیں اوراس پر وہی خرچ کرتے ہیں۔

ربوہ کی آبادی پر کم از کم خرچ کا ابتدائی اندازہ ساڑھے تیرہ لاکھ ہے (بعد میں شہر کی تکمیل پر غالباً پندرہ بیس لاکھ اَور خرچ ہوگا) اور جو زمین فروخت ہوگی وہ ساری نہیں جو لوگ یونہی ہزار ایکڑ کے متعلق قیاس لگا لیتے ہیں اور اسے آٹھ یا نو کے ساتھ ضرب دے دیتے ہیں اُن کا قیاس صحیح نہیں۔ شہر ساری جگہ پر آباد نہیں ہوگا۔ اس میں کھیلنے کے لیے بھی جگہ خالی رکھنی ہوگی، ہوا کے لیے بھی جگہ خالی رکھنی ہوگی، سڑکیں بھی بنانی ہوں گے۔ اب جو نقشہ تیار کیا گیا ہے اُس میں محض سڑکوں کے لیے تیس فیصدی زمین مخصوص کر دی گئی ہے۔ ایک ہزار ایکڑ زمین میں سے اگر تین سوا یکڑ زمین سڑکوں کے لیے نکل جائے تو باقی سات سوا یکڑ زمین رہ جاتی ہے۔ پھر اڑھائی سوا یکڑ سفید زمین چھوڑ دی جائے گی۔ کیونکہ یہ گورنمنٹ کا قانون ہے۔ یہ کُل ساڑھے پانچ سوا یکڑ ہوئی۔ پھر سکولوں اور ہسپتالوں کے بغیر بھی شہر نہیں چل سکتا۔ اگر ہسپتال نہ ہوں تو بیمار تڑپ تڑپ کر ہی مر جائیں۔ سکول نہ ہوں تو بچوں کی عمریں ضائع ہو جائیں۔ ان سکولوں، کالجوں اور ہسپتالوں کے لیے بھی ڈیڑھ دوسوا یکڑ کی ضرورت ہوگی۔ ساڑھے پانچ سوا یکڑ پہلے تھی اور ڈیڑھ سوا یکڑ یہ ہوئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ہزار ایکڑ میں سے سات سوا یکڑ نکل گیا اور صرف تین سوا یکڑ باقی رہ گیا۔ بلکہ حقیقتاً اڑھائی سوا یکڑ کے قریب زمین باقی رہ جاتی ہے اور اگر اسے سَو روپے فی کنال کی شرح سے فروخت کیا جائے تو اڑھائی لاکھ کی آمد ہو سکتی ہے۔ باقی گیارہ لاکھ کے اخراجات کون برداشت کرے گا۔ کیا جو شہر میں نہیں رہیں گے اُن سے یہ اخراجات لیے جائیں گے اور اُن سے کہا جائے گا کہ یہ اخراجات تم برداشت کرو؟ بے شک بعض مصلحتوں کی وجہ سے ہم ایسا کہہ بھی سکتے ہیں مگر اخراجات کا زیادہ بوجھ بہر حال شہر والوں پر ہی پڑنا چاہیے نہ کہ باہر والے لوگوں پر۔ کُل اخراجات کا کم از کم ساڑھے تیرہ لاکھ کا اندازہ ہے۔ اس میں سے اڑھائی لاکھ شہر والے دیں اور گیارہ لاکھ باہر والے دیں۔ تو یہ بے انصافی کی تقسیم ہوگی۔ لازماً اخراجات کا بوجھ شہر والوں پر پڑے گا۔ جب اوسط قیمت پانچ سو روپے فی کنال ہو تب جا کر یہ اخراجات پورے ہوتے ہیں۔ اگر پانچ سو روپیہ فی کنال کی شرح سے یہ زمین بیچی جائے تو پھر جا کر یہ ساڑھے تیرہ لاکھ بنتا ہے۔ لیکن چونکہ سوا سوا یکڑ یا سو روپیہ کنال پر فروخت ہوئی ہے یا غرباء کو مفت دی گئی ہے مزید قابلِ فروخت زمین سترہ سو کنال رہ جاتی ہے جس میں سے چار سو کنال اَور سستے داموں دی گئی ہے۔ اس لیے تیرہ سو کنال

باقی زمین رہ جاتی ہے۔ اگر اسے پانچ سو روپیہ کنال پر بھی فروخت کیا جائے تو کُل قیمت ساڑھے چھ لاکھ بنتی ہے۔ مگر کالجوں، سکولوں، سڑکوں، ہسپتالوں اور دوسرے قومی اداروں پر کم سے کم ساڑھے تیرہ لاکھ روپیہ خرچ ہوگا۔ یہ رقم کون دے گا؟ کیا لائل پور اور سرگودھا کے غیر احمدی چندہ کر کے یہ رقم دیں گے یا پنجاب اور سندھ کے احمدی؟ بہرحال اِس رقم کا بیشتر حصہ ربوہ میں بسنے والوں کو ہی دینا پڑے گا۔

پس یہ سیدھی سادھی بات ہے رعایت کا سوال ہی نہیں۔ یہ کم از کم اخراجات ہیں جن سے شہر بن سکتا ہے۔ یا تو شہر کو ویران چھوڑ دیا جائے اور یا اُس کے اخراجات کے لیے روپیہ مہیا کیا جائے۔ اب دوسرا اعلان کیا گیا ہے کہ 300 کنال کا ایک ٹکڑا دوسو روپیہ فی کنال کے حساب سے فروخت کیا جائے گا۔ وہ لوگ جو مجھے کہتے ہیں کہ ہمیں ایک سَو روپیہ فی کنال کی شرح سے ہی زمین لے کر دے دی جائے وہ یہی کہتے رہیں گے اور زمین ختم ہو جائے گی۔ اور پھر جب یہ زمین ختم ہو جائے گی اور زمین کی قیمت بڑھا دی جائے گی تو وہ میرے پاس آجائیں گے اور کہیں گے حضور! ہماری سفارش کر دی جائے تا ہمیں دوسَو روپے فی کنال کی شرح سے ہی زمین دے دی جائے۔ وہ ایسا ہی کہتے رہیں گے اور زمین کی قیمت اَور زیادہ ہو جائے گی اور قیمت تین سَو روپیہ فی کنال کی بجائے پانچ سو روپیہ فی کنال ہو جائے گی کیونکہ ہمارا ارادہ ہے کہ پانچ سَو روپیہ فی کنال کی اوسط لائی جائے۔ اُس وقت یہ لوگ کہیں گے ہمیں تین سو پر ہی زمین دے دیجیے۔ آپ ہماری سفارش کریں۔ پھر اگلا اعلان نکلے گا اور وہ پھر آئیں گے حضور! زمین اب سات سو روپے فی کنال ہوگئی ہے آپ ہماری سفارش کیجیے تا ہمیں پانچ سو روپیہ فی کنال کے حساب سے زمین مل جائے۔ پھر اگلا اعلان ہو جائے گا۔ مثلاً ہزار روپیہ فی کنال کا اعلان کیا جائے گا تب یہ لوگ آئیں گے اور پچھلی قیمت پر زمین مانگیں گے۔ زمین کی قیمت بڑھتی چلی جائے گی۔ وہ خریدیں گے نہیں بلکہ ہر دفعہ یہی مطالبہ کرتے رہیں گے ہمیں پچھلی قیمت پر زمین دلائی جائے۔ زمین مہنگی ہوتی چلی جائے گی کیونکہ جب ڈاکخانہ بن جائے گا، ریلوے اسٹیشن بن جائے گا، بجلی آجائے گی اور شہر کی صورت بن جائے گی تو لازماً زمین مہنگی ہوگی۔ قادیان میں کئی لوگوں نے پانچ پانچ ہزار روپیہ فی کنال کے حساب سے بھی زمین خریدی ہے اور بیچی ہے۔ یہاں لاہور کے ایک غیر احمدی ایم۔ ایل۔ اے نے مجھے کہا تھا کہ آپ مجھے زمین دلا دیں۔ دہلی کی ایک غیر احمدی عورت نے مجھے کہا تھا کہ ہمیں زمین دی جائے کیونکہ فسادات میں اگر ہمیں گھروں سے نکلنا پڑے تو ہم وہاں آجائیں۔

مَیں نے اُسے یہی کہا تھا کہ ہمارے پاس جو آ جائے گا ہم اُسے ٹھہرا لیں گے۔ پہلے اگر ہم قادیان میں ساٹھ ہزار افراد کو کھانا کِھلاتے رہے ہیں تو اُن کو بھی کھلا لیں گے۔ جگہ کے لیے مَیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ وہ انجمن کا کام ہے۔ اِسی طرح ربوہ سے اطلاع آئی ہے کہ چکوال کے بعض تاجروں نے کہا ہے کہ ہمیں ربوہ میں زمین دی جائے۔ جب اُن سے پوچھا گیا کہ آپ وہاں زمین کیوں خریدنا چاہتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ **یہ جگہ کسی دن بڑی عظیم الشان منڈی بن جائے گی۔ اس لیے ہم بھی یہاں زمین خریدنا چاہتے ہیں۔** دوسرے لوگوں کی نظر میں اِس زمین کی کتنی قیمت ہے مگر ربوہ والے اور متردّد احمدی سوچ ہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اگر قیمت فرض کرو ڈیڑھ ہزار روپیہ فی کنال ہو جائے تب بھی یہ لوگ یہی کہتے رہیں گے کہ ہمیں ایک ہزار میں ہی جگہ دلوائی جائے۔

پس یہاں قیمت کا سوال نہیں تردّد کا سوال ہے۔ ایسے لوگ ہر قدم پر تردّد اور تذبذب میں پڑتے چلے جاتے ہیں۔ مثلاً اگر انہیں کہا جائے کہ مسجد میں نماز پڑھو تو وہ کہہ دیں گے مسجد دور ہے اس لیے ہم وہاں نہیں جاسکتے۔ پھر مسجد اُن کے گھر کے قریب ہی بنا دی جائے تو وہ کہیں گے کہ یہ بھی دور ہے۔ پھر اُن کے گھر ہی میں نماز کا انتظام کر دیا جائے تو وہ یہ بہانہ بنا دیں گے کہ ہمارے گھر میں جگہ نہیں نکل سکتی۔ پھر اُنہیں کہا جائے اچھا تم اکیلے ہی نماز پڑھ لیا کرو تو وہ کہہ دیں گے ہم سے کھڑا نہیں ہوا جاتا۔ اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے کو کہا جائے تو وہ کہہ دیں گے کہ ہم بیٹھ کر نماز پڑھنے میں بھی تھک جاتے ہیں۔ اور اگر کہا جائے اچھا لیٹ کر ہی نماز پڑھ لیا کرو تو وہ کہہ دیں گے کہ لیٹ کر نماز پڑھنے سے ہمیں شرم آتی ہے۔ غرض ایسے لوگ کوئی نہ کوئی بہانہ کر دیتے ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ ان لوگوں میں تذبذب اور تردّد پایا جاتا ہے۔ جتنا گُڑ ڈالو گے اُتنا ہی میٹھا ہوگا۔ اگر ہم نے نیا مرکز بنا کر تبلیغ کرنی ہے تو اس کے لیے سامان بھی مہیا کرنے ہوں گے جن سے اُس کے متمدن شہروں سے تعلقات ہوں۔ اگر ہم یونہی جھونپڑیاں بنا لیں، وہاں نہ ریل ہو نہ ڈاک کا انتظام ہو، نہ ہسپتال اور نہ سکول کالج تو پھر جو شہر بنانے کی غرض تھی وہ پوری نہیں ہوتی۔ اگر ہم نیا مرکز بنائیں گے تو بہرحال ہمیں اُسے ایسا بنانا پڑے گا کہ اُس کے تعلقات دوسرے شہروں سے وسیع سے وسیع تر ہوتے چلے جائیں ورنہ رہائش کا انتظام تو دوسرے شہروں میں بھی ہوسکتا ہے۔

قادیان میں جب مَیں نے ٹیلیفون کا انتظام کیا تھا اُس وقت کئی لوگوں نے کہا تھا کہ بھلا اِس

کی کیا ضرورت ہے؟ مَیں نے اُنہیں یہی کہا تھا کہ یہ انتظام اِس لیے کیا گیا ہے تا ہمارے تعلقات دوسرے شہروں سے زیادہ ہوں۔ جب تار کا بندوبست کیا گیا اور گورنمنٹ نے کہا کہ ہمیں گارنٹی دو کہ یہاں کافی آمد ہوگی اُس وقت بھی کئی لوگ یہ کہتے تھے بھلا اِس کی کیا ضرورت ہے؟ مَیں نے انہیں بھی یہی جواب دیا تھا کہ یہ انتظام اِس لیے کیا جا رہا ہے تا دوسرے شہروں سے ہمارے تعلقات زیادہ ہوں۔ مَیں نے وہ گارنٹی جبراً دلوائی تھی لیکن پہلی ششماہی میں ہی گورنمنٹ نے کہہ دیا تھا کہ آمدن زیادہ ہو رہی ہے اس لیے گارنٹی واپس لے لو۔

بہرحال ہمیں اِس جگہ کو بھی شہر کی صورت میں بدلنا ہوگا تا کہ لوگ اِس میں رہ سکیں۔ آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی اولاد کو وَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ میں ہی بسایا تھا اور یہ آپ کی بڑی قربانی کی تھی۔ اُس وقت آپ نے خدا تعالیٰ سے یہ نہیں کہا تھا کہ اَے خدا! یہاں گندم نہیں ہوتی تُو انہیں گندم دے، یہاں جانوروں کے لیے چارہ نہیں پیدا ہوتا تُو انہیں چارہ دے۔ بلکہ آپ نے کہا اے خدا! تُو انہیں پھل کھِلا، ایسا انتظام کر کہ یہاں کیلا، انار، انگور اور دوسرے پھل پہنچیں۔ آپ نے یہ نہیں کہا اے خدا! اُرْزُقْهُمْ بِالْحِنْطَةِ تُو انہیں گندم کھِلا اُرْزُقْهُمْ بِالشَّعِيْرِ تُو انہیں جَو کھلا۔ بلکہ آپ نے کہا کہ اے خدا! تُو انہیں کھانے کو پھل دیجیؤ۔ آپ میں چونکہ اس کی طاقت نہیں تھی اس لیے آپ نے خدا تعالیٰ سے کہا اے اللہ! مجھ میں تو طاقت نہیں تُو یہ چیزیں مکہ میں لا۔ مَیں نے جو پھل مکہ میں کھائے ہیں وہ کسی اَور جگہ نہیں کھائے۔ گنّا دیکھو کتنا وزنی ہوتا ہے اور اِس کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا مشکل ہوتا ہے مگر مَیں نے وہاں گنّا کھایا ہے اور وہ نہایت لذیذ تھا۔ مَیں نومبر میں حج کے لیے گیا تھا اور شاید دسمبر میں یا نومبر کے آخر میں حج ہوا تھا۔ پھر مَیں نے وہاں انار کھائے ہیں جو کسی اَور جگہ نہیں کھائے، انگور کھائے ہیں جو کسی اَور جگہ نہیں کھائے۔ وہ نہایت ہی شیریں تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے یہی دعا کی تھی اے خدا! مَیں اپنی اولاد کو یہاں بسا رہا ہوں تُو اس جگہ کو اتنا آرام دہ بنا دے کہ وہ انار اور انگور وغیرہ پھل کھایا کریں۔

غرض جب بھی کوئی شہر بسایا جائے گا، جب بھی کوئی مرکز بنایا جائے گا تو اُس کے لیے ایسے سامان مہیا کیے جائیں گے جو اس سے وابستگی کا موجب ہوں اور اس کے دوسری دنیا سے تعلقات ہوں۔ وہاں رہنے والوں کے لیے دلجمعی کے سامان بہم پہنچائے جائیں گے۔ فرض کرو ملیریا ہو جائے

اور وہاں ہسپتال نہ ہو تو لوگ وہاں کیسے رہیں گے؟ سکول اور کالج نہ ہوں تو وہاں رہنے والوں کو دلجمعی کہاں ہوگی؟ اور پھر قوم کے لڑکے علم حاصل کیسے کریں گے؟ ڈاکخانہ نہ ہو تو تبلیغ کیسے ہوگی؟ تاریں بند ہوں تو ملک کے حالات جلدی جلدی کیسے معلوم کیے جاسکتے ہیں؟ ریل نہ ہو تو لوگ وہاں کیسے پہنچیں گے؟ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بے شک یہ الہام تھا کہ لوگ تیرے پاس اتنی کثرت سے آئیں گے کہ زمین گھس جائے گی۔1 لوگ کثرت سے آئے اور وہ گھس بھی گئی۔ لیکن وہاں کتنے آدمی چل کر آئے تھے؟ آخری جلسہ سالانہ پر صرف سات سو آدمی تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب سیر کے لیے گئے تو ہجوم کی ٹھوکروں سے پاؤں سے جُوتی نکل جاتی اور سوٹی گر گر جاتی تھی۔ آپ ریتی چھلّے تک گئے اور پھر واپس آ گئے۔ آپ نے فرمایا نبی اُس وقت تک دنیا میں رہتا ہے جب تک وہ اپنے سلسلہ کی بنیاد قائم نہیں کر لیتا۔ اب ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا کام ختم ہو گیا ہے۔ اور آپ اگلے سال فوت ہو گئے۔ بہرحال آخری جلسہ پر صرف سات سو آدمی تھے لیکن ریل کے بعد وہاں آنے والوں کی تعداد اتنی بڑھ گئی تھی کہ پچھلے سے پچھلے سال جو ہمارا جلسہ ہوا ہے اُس میں باہر سے آنے والوں کی تعداد تیس ہزار سے اوپر تھی۔ اور یہ وہ تعداد ہے جو ریل والوں نے بتائی تھی کہ اتنے آدمی ریل کے ذریعہ سے یہاں پہنچے ہیں۔ اردگرد کے علاقہ سے دوسرے ذرائع سے وہاں پہنچنے والوں کی تعداد الگ تھی۔ ان سہولتوں کو حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اُن ضروریات کو مہیا کیا جائے۔ اور ضروریات کا مہیا کرنا اُن لوگوں کا کام ہے جو اُس شہر میں رہیں گے۔

متذبذب اور متردّد لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ شاید قادیان کل ہی مل جائے۔ اگر ہمیں قادیان مل جائے تو نئے مرکز کی کیا ضرورت ہے۔ قادیان کل تو کیا مَیں کہتا ہوں آج ہی مل جائے۔ لیکن ''ملے گا'' اور ''مل جائے گا'' میں بہت بڑا فرق ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کے بعد آٹھ سال تک انتظار کرنا پڑا۔ آٹھویں سال جا کر مکہ فتح ہوا۔ فرض کرو ہمیں بھی آٹھ سال لگ جائیں تو پھر کیا ہوا ہمیں ابھی ایک ہی سال ہوا ہے اور ہمارے سینکڑوں طالبعلم آوارہ ہو گئے ہیں۔ ان کے والدین تلاشِ مکان میں نکل گئے اور وہ آوارہ ہو گئے۔ اب اگر خدا تعالیٰ نے ہمارے لیے بھی آٹھ ہی سال مقرر کیے ہوں تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ہم اگلی ایک نسل کو آوارہ اور تباہ کر دیں؟ پھر آٹھ سال کا عرصہ گزرنے کے بعد نئے سرے سے جماعت کو بنانا نہایت مشکل ہے۔ **مرکز رکھنے والی جماعتیں ایک دن بھی مرکز کے بغیر ترقی**

نہیں کرسکتیں۔

پھر جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ عارضی چیزوں کے لیے زیادہ خرچ نہیں کرنا چاہیے اُنہیں خود اگر کراچی جانا ہوتا ہے تو اِس چوبیس گھنٹے کے سفر کے لیے وہ بجائے تھرڈ کے انٹر یا سیکنڈ کا ٹکٹ لیتے ہیں بلکہ وہ اپنے نفس کے آرام کے لیے دو گھنٹے کے سفر کے لیے بھی تھرڈ کا ٹکٹ نہیں لیتے تا کام بھی جلد ہو جائے اور نفس کو آرام بھی رہے۔ لیکن جب خدا تعالیٰ کا سوال آتا ہے تو کہہ دیتے ہیں آٹھ سال آوارہ پھرو۔ اگر عارضی چیز کوئی چیز نہیں تو تم انٹر اور سیکنڈ کلاس میں سفر کیوں کرتے ہو؟ اگر تم اس طرح سفر کرنے کو نفس کے آرام کے لیے ضروری سمجھتے ہو تو سلسلہ کے آرام کے لیے ان اخراجات کے کرنے کی کیوں ضرورت نہیں؟ یہ تو ایک واقعہ ہے جو شخص اس کی اہمیت اور عظمت کو جانتا ہے اور اس کی برکتوں کو جانتا ہے اسے اگر دس مرتبہ بھی مرکز چھوڑنا پڑے تو وہ اس کی کوئی پروا نہیں کرے گا۔ **فرض کرو ہم ربوہ میں جائیں اور وہاں شہر بنالیں۔ پھر ہمیں کہا جائے کہ یہ جگہ چھوڑ دو اور یہاں سے چلے جاؤ تو پھر بھی ہم یہ نہیں کہیں گے کہ چونکہ ہم دو دفعہ اُجڑ چکے ہیں اِس لیے ہم کوئی اَور جگہ نہیں بنائیں گے بلکہ ہم تیسرا شہر بسالیں گے۔ اور اگر وہاں سے بھی نکال دیئے جائیں گے تو ہم چوتھا شہر بسالیں گے۔ اور اگر وہاں سے بھی نکال دیئے جائیں اور ہمیں جنگل میں جانا پڑے تو ہم وہاں بھی شہر ہی بسائیں گے آوارہ نہیں پھریں گے۔**

ہمارے اندر تو دین ہے۔ بابر دنیا دار اور شراب خور تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ "تزک" 2 میں اس نے اپنی شراب خوری کا بھی ذکر کیا ہے۔ گو مَیں نے نہیں پڑھا۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ جب اُس کی قبائل سے لڑائی ہوئی تو اسے بار بار شکست ہوئی۔ گیارہ بار شکستیں کھا جانے کے بعد اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا اب کیا کرنا ہے۔ اب تم اپنے اپنے گھر چلے جاؤ۔ اس نے اُن سب کو بھیج دیا۔ ایک دن وہ پاخانہ میں گیا۔ وہاں ایک چیونٹی آ گئی جو گندم کا ایک دانہ لے کر دیوار پر چڑھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں وہ گر گئی۔ وہ دوبارہ چڑھنے لگی لیکن پھر گر گئی۔ اس طرح وہ چالیس سے زیادہ دفعہ گری۔ آخر غالب آئی اور اپنے منزلِ مقصود پر پہنچ گئی۔ بابر کو یہ واقعہ پسند آیا۔ وہ پاخانہ سے باہر نکلا اور اُس نے اپنے ساتھیوں کو پھر جمع کیا اور کہا پہلے غلطی ہو گئی تھی آؤ پھر کوشش کریں۔ ہم ضرور فتح پائیں گے۔ چنانچہ بارھویں دفعہ اُس نے پھر حملہ کیا اور وہ سارے ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔

پھر مکھیوں کو دیکھو! وہ شہد بناتی ہیں اور بناتی چلی جاتی ہیں لیکن انسان انہیں کھانے نہیں دیتا۔ وہ ان کے نیچے دھواں رکھ کر گرم پانی پھینک کر یا کوئی اَور ذریعہ اختیار کر کے اُن کا چھ ماہ کا بنایا ہوا شہد اُڑا کر لے جاتا ہے۔ وہ مکھیاں دو منٹ کا بھی انتظار نہیں کرتیں۔ وہ اُس جگہ کے چھوڑ دینے کے بعد دوسری جگہ تلاش کر لیتی ہیں اور دوبارہ شہد بنانا شروع کر دیتی ہیں۔ ایک گھنٹے کے بعد اگر انہیں آ کر دیکھو تو وہ قریب ہی کسی جگہ شہد بنانے میں مشغول ہوں گی۔ بعض دفعہ اُن سے سالہا سال تک ایسا کیا جاتا ہے مثلاً پالتو مکھیاں ہوتی ہیں۔ وہ جب بھی شہد بنا لیتی ہیں شہد اُڑا لیا جاتا ہے اور انہیں اپنا بنایا ہوا شہد کھانے کا موقع نہیں ملتا۔ وہ شہد بناتی ہیں اور لوگ شہد لے جاتے ہیں۔ اگر ایک مکھی شہد بناتی ہے اس لیے کہ اُسے لوگ لے جائیں اور اُس سے بیماریاں دور ہوں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ 3 اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔ یا پھر اگر ایک مکھی شہد بناتی ہے اور بناتی چلی جاتی ہے اور لوگ اُس کے پاس شہد نہیں رہنے دیتے وہ ہمیشہ اُڑا لے جاتے ہیں اور وہ مکھی پھر بھی شہد بنانا نہیں چھوڑتی۔ تو کیا انسان ہی ایسا ضعیف ہے کہ وہ اس طرح مایوس ہو جائے؟ جو شخص اپنی کوشش میں ناکام ہو جانے کے بعد ہمت چھوڑ بیٹھتا ہے وہ آدمی نہیں۔ وہ چیونٹیوں اور مکھیوں سے بھی بدتر ہے۔

دنیا کی فتح کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ ابھی تک لوگوں کے اخلاق درست نہیں ہوئے اور وہ اس کی اہمیت کو بھی نہیں سمجھتے۔ اگر وہ اس چیز کی اہمیت کو سمجھتے تو خواہ ان سے ہزار دفعہ مال بھی چھین لیا جاتا تو وہ اس کی پرواہ نہ کرتے۔ کم از کم مکھی جتنی تو ان میں ہمت ہوتی۔ مگر کیا ایسا ہوا ہے؟ اگر مَیں کہوں کہ کل سورج نہیں چڑھے گا تو خواہ آپ مجھے خلیفہ مانتے ہیں، آپ نے میری بیعت کی ہوئی ہے مگر آپ کہیں گے کہ شاید ہم نے آپ کی بات نہیں سمجھی۔ یا کئی ایسے ہوں گے جو کہہ دیں گے کہ یہ دیوانے ہو گئے ہیں۔ ایسا کیوں ہوگا؟ اس لیے کہ سورج روز چڑھتا ہے۔ یا گرمی چھٹے مہینے آتی ہے، سردی چھٹے مہینے آتی ہے۔ وہ ضرور آئے گی۔ پھر پھل اور غلّہ ہے وہ اپنے مقررہ وقت پر ضرور ہوگا خواہ کم ہو یا زیادہ وہ ہوگا ضرور۔ اِسی طرح نبی بھی تو ہمیشہ سے ہوتے چلے آئے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی آئے ہیں 4 مگر کیا کوئی ایسی روایت بھی آئی ہے کہ کوئی نبی ہارا ہو؟ ایک دفعہ بھی ایسا نہیں ہوا۔ پھر تم نے یہ کیسے خیال کر لیا کہ تمہارے لیے ہمیشہ تباہی ہی چلتی جائے گی۔ ایک دفعہ کیا خواہ دس دفعہ ایسا ہو بِالآخر جیت ہماری ہی

ہوگی۔ یہی خدا تعالیٰ کا قانون ہے جو بدل نہیں سکتا۔ یہی خدا تعالیٰ کی سنت ہے اور خدا تعالیٰ کی سنت کو بدلنے والا کوئی نہیں۔ خدا تعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ جب بھی اُس کا کوئی رسول آتا ہے وہ بِالآخر غالب ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ [5] مجھے اپنی ذات کی قسم مَیں اور میرے مامور ضرور کامیاب ہوں گے۔ یہ تو صرف خدا تعالیٰ ہماری آزمائش کرتا ہے کہ یہ کتنے عرصہ تک ایمان پر قائم رہتے ہیں۔ انبیاء آتے ہیں اور ان کے ماننے والوں پر مصائب پر مصائب آتے ہیں۔ لوگ حیران ہوجاتے ہیں اور کہہ اُٹھتے ہیں مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کی نصرت کب آئے گی؟ اور اُسی وقت ہی خدا تعالیٰ کی نصرت آجاتی ہے۔

عیسائی حضرت عیسٰی علیہ السلام پر ایمان لائے اور ان پر اتنے ظلم ہوئے اور اتنے مصائب نازل ہوئے کہ اُن کا لاکھواں حصہ بھی ہمیں برداشت نہیں کرنا پڑا۔ ہم جب مثال دیتے ہیں کہ ہمارے اتنے آدمی قتل ہوئے ہیں تو ہم پانچ سات سے زیادہ نہیں گن سکتے۔ وہاں مشرقی پنجاب کے فساد میں چندسو احمدی مارے گئے ہیں مگر عیسائی لاکھوں لاکھ قتل ہوئے۔ ایک ایک دو دو ہزار تو ایک ایک بستی میں مارے جاتے تھے لیکن پھر بھی وہ بڑھتے چلے گئے۔ مکھیوں کی طرح اُنہیں یقین تھا کہ ہمارا فرض ہے کہ ایک عمارت گرے تو دوسری تعمیر کریں۔ تم بے شک مارتے چلے جاؤ اِس کی ہمیں کوئی پروا نہیں۔ آخر یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ انہیں غاروں میں چھپنا پڑا۔ مَیں نے وہ غاریں خود دیکھی ہیں۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے انہیں سات سات آٹھ آٹھ سال تک ان غاروں میں رہنا پڑا۔ ہم اگر پانچ منٹ وہاں ٹھہریں تو ایک وحشت سی ہوتی ہے۔ آخری جگہ اسّی فٹ نیچے یعنی پانی سے بھی نیچے تھی جس جگہ تک ہم گئے تھے وہ کوئی چالیس پچاس فٹ نیچے ہوگی۔ وہاں تک پہنچ کر ہی ہمارے ساتھیوں نے شور مچا دیا تھا کہ جلد باہر چلو لیکن وہ لوگ وہاں سالہا سال تک رہے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو وہاں ہم نے کتبے لگے ہوئے دیکھے۔ کسی پر لکھا ہوا تھا میری پیاری بیوی اور ساتوں بچے جو اس مکان میں رہتے تھے یہاں قتل کر دیئے گئے اب اُن کی یادگار کے طور پر مَیں یہاں کتبہ لگاتا ہوں۔ کہیں لکھا تھا ہمارے گرجے کے پادری یہاں دعا کر رہے تھے کہ پولیس نے چھاپہ مارا اور انہیں قتل کر دیا۔ اِس جگہ ہمارے قبیلے کے چالیس آدمی چھُپے ہوئے تھے کہ پولیس کو پتہ لگ گیا اور انہیں مار دیا گیا۔ اِس طرح کئی کتبے لگے ہوئے تھے۔ وہ لوگ وہاں چھُپے رہے یہاں تک کہ تین سو سال گزر گئے۔ وہ اکثر غاروں میں ہی چھپے رہتے

تھے۔ ہر طرف دنیا انہیں مار رہی تھی، ملک کے سارے حصوں میں اُن کے آدمی قتل کیے جا رہے تھے۔ اُن کا سَو سَو دو دو سو آدمی ہر روز قتل کیا جاتا تھا۔ ایک دن وہ نیچے بیٹھے ہوئے تھے کہ کچھ آدمی آئے اور انہوں نے کہا تم شہر چلو۔ بادشاہ عیسائی ہو گیا ہے اور اس نے اعلان کر دیا ہے کہ ملک کا مذہب عیسائیت ہوگا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ پہنچے۔ مکہ والے یہ نہیں جانتے تھے کہ آپ اُن پر حملہ آور ہوں گے۔ ابوسفیان ابھی خود آپ سے مدینہ میں مل کر آ رہا تھا۔ جب لوگوں نے آپ کا لشکر دیکھا تو انہوں نے خیال کیا کہ یہ لشکر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوگا۔ ابوسفیان نے کہا تم پاگل تو نہیں ہو گئے؟ مَیں ابھی خود دیکھ کر آیا ہوں وہاں کوئی لشکر تیار نہیں ہوا تھا۔ اگلے ہی چار پانچ منٹ میں مسلمان اُس کے پاس پہنچ گئے اور انہوں نے ابوسفیان کو گرفتار کر لیا اور دوسرے دن مکہ فتح ہو گیا۔

غرض خدا تعالیٰ کی نصرت اچانک آتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق تو خدا تعالیٰ بار بار فرماتا ہے اِنِّیْ مَعَ الْاَفْوَاجِ اٰتِیْکَ بَغْتَةً 6 خدا تعالیٰ کی مدد اچانک آئے گی۔ تم آج قیاس نہیں کر سکتے کہ وہ مدد کب آئے گی۔ تم کل قیاس نہیں کر سکتے کہ وہ مدد کب آئے گی۔ تم شام کو یہ خیال نہیں کر سکتے کہ وہ مدد کب آئے گی۔ تم تہجد کے لیے اٹھو گے تو تم خیال کر رہے ہو گے کہ ابھی منزل باقی ہے۔ صبح کی نماز پڑھ رہے ہو گے تو مصائب پر مصائب تمہیں نظر آ رہے ہوں گے مگر جونہی سورج نظر آیا خدا تعالیٰ کی نصرت تمہارے پاس پہنچ جائے گی اور تمہارے دشمن کے لیے ہر طرف مصائب ہی مصائب ہوں گے۔ **ایک ربوہ کیا، ایک قادیان کیا قادیان کا ہمیں بے شک احترام ہے مگر خدا تعالیٰ کی محبت اور اطاعت کی خاطر ہمیں دس ہزار قادیان بھی قربان کرنا پڑے تو ہم قربان کر دیں گے۔ اُس کے سامنے اِس کی کوئی حیثیت نہیں۔**

مثنوی والوں نے کہا ہے کہ ایاز کے خلاف لوگوں نے محمود کے پاس شکایتیں کیں کہ وہ اس کا دشمن اور بدخواہ ہے۔ بادشاہ نے کہا کیا یہ ٹھیک ہے کہ وہ میرا بدخواہ ہے؟ وزیروں نے کہا ہاں! اگر آپ چاہیں تو اس کا امتحان کر لیں۔ بادشاہ کے پاس ایک قیمتی موتی تھا۔ وہ اُسے بے انتہا پسند کرتا تھا اور وہ دوسرے ممالک کے سفیروں کو بھی دکھایا کرتا تھا اور وہ کہتے تھے کہ ایسا موتی ہمارے بادشاہوں کے پاس نہیں ہے اور اس موتی کی وجہ سے اس کی بہت عزت تھی۔ بادشاہ نے خزانچی کو حکم دیا کہ وہ موتی لے آؤ

اور ایک ہتھوڑا بھی ساتھ لاؤ۔ اُن دنوں سات وزیر ہوتے تھے۔ اُس نے اپنے ساتوں وزیروں سے کہا کہ اِس موتی کو توڑ ڈالو۔ وزیروں نے کہا ہم حضور کے خیر خواہ ہیں، نمک خوار ہیں، ساری عمر ہم آپ کے احسانات کے نیچے رہے ہیں۔ اب ہم آپ کے بدخواہ کیسے بن جائیں۔ اِس موتی کی وجہ سے آپ کی دوسرے بادشاہوں میں شہرت ہے اور ہم اسے توڑ دیں؟ بادشاہ نے کہا آپ نے بہت اچھا کیا۔ پہلے یہ وزیر اعظم نے کہا اور پھر سب وزیروں نے یہ بات دہرانی شروع کر دی۔ جب ساتوں وزیر یہ بات کہہ چکے تو بادشاہ نے ایاز کو بلایا اور کہا اسے توڑ دو۔ ایاز نے جیسے کرکٹ کے بلّے کے ساتھ گیند کو مارا جاتا ہے ہتھوڑا مار کر موتی چکنا چُور کر دیا۔ وزیروں نے کہا کیا ہم نہیں کہتے تھے کہ یہ آپ کے بدخواہ ہیں؟ بادشاہ نے ایاز سے کہا کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ موتی لاکھوں لاکھ کا ہے؟ اس نے کہا ہاں مجھے معلوم ہے۔ پھر بادشاہ نے پوچھا کیا تُو نے سنا ہے کہ اِس موتی کی وجہ سے میری دوسرے بادشاہوں میں بہت عزت تھی؟ ایاز نے کہا ہاں مجھے معلوم ہے۔ بادشاہ نے کہا پھر تم نے اِس موتی کو کیوں توڑ دیا؟ ایاز نے کہا بادشاہ کی اطاعت کے مقابلہ میں ایک موتی تو کیا ہزار موتی بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ بادشاہ کا تین چار لاکھ کا قیمتی موتی تو ٹوٹ گیا مگر ایاز جیسا قیمتی موتی ظاہر ہو گیا اور اس کی قیمت ظاہر ہو گئی۔ وزراء کو ماننا پڑا کہ ایاز قابلِ قدر تھا۔ ہمارا اس طرف ذہن نہیں گیا۔

پس قادیان ہمیں پیارا ہے۔ حقیقت میں ہماری محبتیں اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عزت اس سے بہت زیادہ قیمتی ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم جمع ہو کر اپنا کام کرنا شروع کر دیں اور اگر سَو دفعہ بھی ہمیں مرکز چھوڑنا پڑے تو کوئی پروا نہ کریں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا تعالیٰ نے لامرکزیت کے توڑنے کے لیے بھیجا ہے۔ آپ کا کام مرکز کو قائم کرنا ہے۔ اس لیے یہ ایک اہم چیز ہے۔ ہمارا دائمی مرکز اگرچہ قادیان ہے مگر جب وہ فتح ہوگا تو کون ہوگا جو ہمیں وہاں جانے سے روک سکے اور ہم نہ جا سکیں؟

پھر سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اس شہر کا کیا بنے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو ہمیں خود مختلف مراکز کی ضرورت ہے۔ ہمیں ہر علاقہ میں مرکز کی ضرورت ہے۔ اور پھر دوسرے لوگ دگنی تگنی قیمت دے کر بھی یہ جگہ لینے کو تیار ہو جائیں گے۔ لیکن مَیں کہتا ہوں اگر کوئی یہ قیمتیں نہ بھی دے تو کیا ہم خدا تعالیٰ کی خاطر اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ اپنے مکان بھی اس کی خاطر پیش کر دیں؟ فرض کرو ہمیں قادیان مل

جائے اور ہمیں یہ جگہ چھوڑنی پڑے تو کیا وہ شخص جو اس کے چُھوٹ جانے کا اتنا صدمہ محسوس کرتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ نئے مرکز کی ضرورت نہیں، عارضی مرکز کی ضرورت نہیں کیا اُس کے دل میں قادیان کی اتنی بھی محبت نہیں ہوگی کہ وہ اس کی خاطر اپنا مکان قربان کردے؟ پس اگر قادیان واپس مل جائے تو ہمیں ان مکانات کی زیادہ قیمتیں مل سکیں گی۔

پھر روحانی نظریہ سے لو، اگر ہمیں یہ مکان چھوڑنے پڑیں تو ہزار دفعہ چھوڑنے پڑیں جہاں انسان کی محبت کی چیز ہوتی ہے وہاں انسان والہانہ طور پر جاتا ہے۔ مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت میں جب مَیں قادیان سے باہر جاتا تھا اُس وقت ریل وغیرہ نہیں ہوتی تھی۔ میرے ساتھ کئی دفعہ ایسا واقعہ ہوا ہے بچپن کی وجہ سے مَیں پہلا واقعہ بھول جاتا تھا۔ اُس وقت بٹالہ قادیان میں اِکّے چلتے تھے۔ جب کبھی مَیں بٹالہ سے قادیان جاتا اور قادیان قریب آجاتا تھا تو مجھے محبت کی وجہ سے جوش آجاتا۔ مَیں خیال کرتا تھا کہ اِکّا والا گھوڑے کو تیز نہیں چلاتا۔ یہ شرارت کرتا ہے۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ مَیں اِکّا چھوڑ کر پیدل دوڑ پڑا۔ مگر جب گھوڑا آگے بڑھا تو مَیں پھر اِکّا پر بیٹھ گیا اور اپنی غلطی محسوس کی اور ایسا متواتر ہوا۔ ایسا ہی اَور دوسرے دوست محبت میں کرتے تھے۔ جب قادیان ملے گا تو ہم مکانوں کی پروا نہیں کریں گے۔ ہم مکانوں کو خدا پر چھوڑ دیں گے اور وہاں دوڑ کر پہنچیں گے۔ جو شخص اپنی چیز کو خدا تعالیٰ پر چھوڑ دیتا ہے وہ کبھی گھاٹا نہیں کھاتا۔ اِس تذبذب اور تردّد کا باعث بے ایمانی ہے۔ خدا تعالیٰ کی راہ میں جانے والوں کو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ ظاہر میں اگرچہ نقصان نظر آتا ہے مگر اصل میں نقصان نہیں ہوتا۔

تم لوگ تو بیعت میں داخل ہو۔ جو لوگ بیعت میں شامل نہیں تھے وہ بھی ایسے خیال دل میں نہ لاتے تھے۔ چاچڑاں شریف والے بزرگ جو بہاولپور کے نوابوں کے پیر تھے وہ ایک دفعہ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ نواب صاحب بھی وہاں تھے۔ اُس وقت آتھم کی پیشگوئی کا وقت گزر گیا تھا۔ اُس مجلس میں یہ باتیں ہونے لگیں کہ پیشگوئی کا وقت گزر گیا ہے آتھم نہیں مرا، مرزا ذلیل ہوا ہے۔ پیر صاحب جیسا کہ اُن کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے ہوئے تھے۔ مگر بیعت نہیں کی تھی۔ تھوڑی دیر تو آپ خاموش رہے۔ پھر آپ نے سر اٹھایا، آپ کی آنکھوں میں ایک اضطراب کی حالت تھی۔ آپ نے فرمایا کون کہتا ہے کہ آتھم نہیں مرا۔ مجھے تو اُس کی

لاش نظر آ رہی ہے۔ پھر انہوں نے نواب صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا یہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کا سوال ہے۔ مرزا صاحب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی عزت کا سوال نہیں۔ مرزا صاحب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے مقابلہ کیا ہے تو اسلام کی خاطر کیا ہے۔ مرزا صاحب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی دشمنی میں تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بھول گئے ہو۔ نواب صاحب چونکہ آپ کے مرید تھے اس لیے وہ مرعوب ہو گئے۔ اگرچہ آپ کو بیعت کی توفیق نہیں ملی تھی۔ مگر انہیں نظر آ رہا تھا کہ آتھم روحانی طور پر مر چکا ہے۔

تم تو مومن ہو۔ قربانیاں کبھی ضائع نہیں ہوتیں۔ ہاں وہ اپنی شکل بدل سکتی ہیں۔ لوہا جب مارا جاتا ہے تو وہ کشتہ بن جاتا ہے۔ اب کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ لوہا ضائع ہو گیا۔ بلکہ اس نے اپنی شکل بدل لی ہے اور پہلے سے زیادہ قیمتی ہو گیا ہے۔ اِسی طرح اگر تمہاری قربانیاں ضائع بھی ہو جائیں تو وہ کشتہ کی صورت اختیار کر لیں گی۔ اور اگر وہ کشتہ کی صورت اختیار کر لیں گی تو کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ ضائع ہو گئی ہیں۔ سونے کی قیمت پہلے کیا تھی؟ یہی بیس پچیس روپے فی تولہ تھی مگر ان دنوں میں بھی سونے کا کشتہ سوا سو روپیہ فی تولہ بِکتا تھا۔ کون کہتا تھا کہ سونا ضائع ہو گیا ہے بلکہ اس کی قیمت پہلے سے دگنی تگنی ہو جاتی تھی۔ اِسی طرح ظاہر میں تو انسان کو نقصان نظر آتا ہے لیکن اگر روحانی آنکھ سے دیکھا جائے تو وہ فائدہ ہی فائدہ ہوتا ہے۔ درحقیقت زندہ وہی ہے جو روحانی طور پر زندہ ہے اور بینا وہی ہے جو روحانی طور پر بینا ہے"۔

(الفضل 30 جنوری 1949ء)

1: تذکرہ صفحہ 50 ایڈیشن چہارم

2: تزک: ہندوستان کے پہلے مغل شہنشاہ ظہیر الدین بابر کی تصنیف ''تزک بابری'' جس میں اس نے ترکی زبان میں اپنے بچپن سے لے کر آخری دنوں تک کے حالات درج کئے ہیں (اسلامی انسائیکلوپیڈیا زیر لفظ تزک۔ لاہور 2000ء)

3: النحل: 70

4: مسند احمد بن حنبل جلد 5 صفحہ 265، 266۔

5: المجادلة: 22

6: تذکرہ صفحہ 307 ایڈیشن چہارم